محمد حنیف ندوی

روایت و درایت کے قرآنی پیمانے

(۲)

اس سلسلہ میں سب سے پہلے سورۂ مائدہ کی اس آیت پر غور کیجیے جس میں آنحضرتؐ کی ذاتِ گرامی کو لفظِ نور سے تعبیر کیا گیا ہے :- یا اھل الکتاب قد جاءکم رسولنا یبین لکم کثیرًا مما کنتم تخفون من الکتاب ویعفوا عن کثیر قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین

سورۂ نساء کے آخری رکوع میں آنحضرتؐ کی پوری زندگی اور فکر و عمل کے پورے ڈھانچے کو "برہان" ٹھہرایا گیا ہے :

یا ایھا الناس قد جاءکم برھان من ربکم وانزلنا الیکم نورًا مبینا

اس حقیقت کو بھی مدِ نظر رکھیے کہ پیغمبر اپنے مجتہدات کو وحی و عصمت میں سمو کر پیش کرتا ہے ۔ اور اس کی بیان کردہ تعبیر و تاویل کو کسی طرح بھی وظیفۂ نبوت سے الگ تھلگ قرار نہیں دیا جا سکتا ۔ اس کے لیے سورۂ نجم کی اس تشریح کو دیکھیے :

وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ

اور اس کی سیرت و کردار کا پورا کارخانہ بنی نوع انسان کے لیے حجت و سند ہے ، اور اگر دین کے صحت مند تصور سے کوئی شخص محروم نہیں ہے تو یہ کہنا چاہیے کہ اس کی اطاعت و فرمانبرداری کے بغیر اسلام کی برکات سے بہرہ مندی کی کوئی صورت ہی نہیں ۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الاخر وذکر اللہ کثیرًا ۔

یہی وجہ ہے کہ آنحضرتؐ کی ذاتی اطاعت پر قرآن نے جابجا زور دیا ہے ۔ آپؐ کے ساتھ وابستگی یا عقیدت و محبت پر بار بار اکسایا ہے کیونکہ اسلامی نقطۂ نظر سے وحی و الہام کا تعلق صاحبِ دعوت سے عارضی و وقتی نہیں ہوتا کہ انقطاعِ وحی سے منقطع ہو جائے بلکہ یہ ایک مستقل رابطہ کا نتیجہ ہوتا ہے ، جو ہمیشہ قائم رہتا ہے اور اس سے پیغمبر یا نبی روزمرہ کی زندگی میں رہنمائی حاصل کرتا ہے ، اور اس کی روشنی میں اہم امور دینی میں فیصلہ کن قدم اٹھاتا ہے ۔ نبوت و رسالت کا یہ تصور علمی حلقوں میں کس قدر جانا بوجھا اور متعارف ہے ، اس کا اندازہ اس حقیقت سے لگائیے کہ ہمارے

ہاں بڑے بڑے حکماء و صوفیاء نے جب بھی اسے حکمت و فلسفہ کی زبان میں بیان کرنا چاہا تو بطور اصول موضوعہ کے سب سے پہلے اس شے کو مان لیا کہ ربط و اتصال کی یہ شکل دائمی ہے عارضی نہیں۔

مثلاً فارابی کے نزدیک منصب نبوت کے یہ معنے ہیں کہ یہ زمین اور آسمان میں ایک نوع کا اتصال ہے۔ عالم ناسوت و ملکوت میں پیوند کی ایک مخصوص صورت ہے یا اس کی فلسفیانہ اصطلاح میں مخیلہ کا عقل فعّال سے ربط و ضبط ہے۔ غزالی کا کہنا ہے کہ یہ ایک سرچشمہ ہے علم و ادراک کا جو عنایت الٰہی سے نفس انسانی کی اندرونی تہوں میں پھوٹ پڑتا ہے۔ ابن خلدون اسے چھٹا حاسہ سمجھتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ کے نزدیک یہ ایک طرح کی تفہیم ہے۔ چنانچہ حجۃ اللہ میں انبیاء کو یہ مفہمین کے نام ہی سے پکارتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تعلق انبیاء سے صرف وقتاً فوقتاً القائے وحی یا تنزیل کتاب ہی کا نہیں بلکہ تفہیم و تعلیم کا بھی ہے۔ اور یہی اصلی و بنیادی تعلق ہے کیونکہ اس سے پیغمبر کی زندگی کے اس پہلو کی پوری پوری تشریح ہوتی ہے کہ اس کا ہر ہر قول و فعل اور اس کی ہر ہر تاویل و بیان واجب الاطاعت اور ماننے کے لائق ہے۔ قرآن میں یہ چاہے صراحۃً مذکور نہ ہو۔ جمال الدین افغانی نے جو اسلامی تاریخ میں سلسلۂ فکر و حکمت کی آخری کڑی ہیں نبوت کو یہ کہہ کر سلجھانے کی کوشش کی ہے کہ تمام عالم انسانی ایک جسم کی مانند ہے اور عضوی وحدت یا اکائی سے تعبیر ہے اور نبوت ان میں ذہن و فکر یا روح کی طرح ہے جس پر کہ اس کی دیکھ بھال یا نگرانی فرض ہے۔ گویا جس طرح ذہن و فکر شعوری اور غیر شعوری طور پر جسم کی حرکات کی تشکیل و تعیین کرتا رہتا ہے اور ایک لمحہ بھی غفلت نہیں برتتا۔ اسی طرح پیغمبر معاشرہ کی نگرانی میں مستقل طور پر لگا رہتا ہے، اور پھر جس طرح روح کے غافل ہونے کے معنی جسم انسانی کی قطعی موت کے ہیں۔ اسی طرح کوئی معاشرہ پیغمبر سے ربط و اتصال قائم رکھے بغیر زندگی کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ آنحضرت کا مرتبہ محبوبیت اور اسلام میں نبوت و رسالت کا تصور اس بات کا متقاضی تھا کہ قرآن کے ساتھ آنحضرتؐ کی شخصیت کو اجاگر کیا جائے اور ان کے احوال و اقوال کو ضبط تحریر میں لایا جائے۔ اور یہ کہ یہ تقاضا اصلی و دینی تقاضا تھا مصنوعی اور پیدا کردہ تقاضا نہیں تھا۔ تو اب اس کے ساتھ تدوین حدیث کے تیسرے عامل یعنی عربوں کے مزاج روایت پرستی سے بھی نفس مسئلہ کے سمجھنے میں خاصی مدد مل سکتی ہے۔ گب نے تو اسے برسبیل طعن ہی ذکر کیا ہے اور اس سے اپنا پسندیدہ اور حسب منشا نتیجہ ہی اخذ کیا ہے۔ لیکن اگر پہلے دو عوامل کی اہمیت کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے تو اس سے تدوین کے بارے میں کم از کم جو ایک اعجاب سا مستشرقین کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے اس کا ازالہ ضرور ہو جاتا ہے۔

جن لوگوں نے جاہلیت کے دور کا سرسری مطالعہ بھی کیا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ تغزل و نسیب کے بعد مفاخر کا ان کے ہاں کیا درجہ ہے اور آباؤ اجداد کے کارناموں کو بیان کرنے اور اچھالنے میں انہیں کس درجہ مہارت حاصل ہے۔ ہر قبیلہ کے کچھ شیوخ ہیں، خطباء اور حکماء ہیں، بہادر اور فیاض ہیں جن کی سخاوت و مہمان نوازی

کا دور دور تک چرچا ہے۔ ان کو ان پر انتہا درجہ کا ناز اور فخر ہے۔ اسی طرح رسم و رواج کے معاملہ میں یہ اس درجہ قدامت پسند ہیں کہ سرِ مو انحراف جائز نہیں رکھتے۔ اور تو اور عقائد و تصوراتِ دینی میں بھی حق و صداقت کی واحد کسوٹی اور معیار ان کے ہاں یہ ہے کہ ان کے آباؤ اجداد سے اس کی تائید مہیا ہو سکتی ہے یا نہیں۔

سورۂ اعراف میں ہے:

قالُوا وجدنا علیہ اٰباءنا۔

مائدہ میں ہے:

قالُوا حسبنا ما وجدنا علیہ اٰباءنا۔

یہی لوگ جب اسلام کے آغوش میں آئے تو مفاخر کو یاد رکھنے اور بیان کرنے کی اس عادت نے قدرتاً حدیث و روایت کی شکل اختیار کر لی۔ یعنی پہلے اگر لوگ مزے لے لے کر جاہلیت کے "وقائع" اور "ایام" کا تذکرہ کرتے تھے اور یہ کہہ کر کہ لنا ایام غرٌ طوالٌ اپنے قبیلوی نفس کی تسکین اور خوشنودی کا سامان فراہم کرتے تھے تو اب ان کا محبوب ترین مشغلہ یہ ٹھہرا کہ اسلام کی فتوحات و غزوات کی داستانوں کو دُہرائیں۔ آنحضرتؐ کے حالات و احوال کی موزونیتوں کو بیان کریں اور یہ بتائیں کہ کن حالات میں انہوں نے اسلام قبول کیا اور کس کس طرح یہ اسلام ان کی زندگی کے مختلف گوشوں پر اثر انداز ہوا۔ کیا حدیث و روایت، کے مبسوط ذخائر انہی حقائق پر مشتمل نہیں ہیں؟ اور کیا ان میں قدیار کی حکایتِ دل نواز کے سوا کوئی اور افسانہ بھی درج ہے؟ جو مقصود بالذات ہو اور جس کو اس درجہ درخورِ اعتنا سمجھا گیا ہو۔

اس سادہ سی وضاحت سے مسلمانوں کے اس غیر معمولی شوق و شغف اور اعتنا و تعرض کی ایک حد تک توجیہہ ہو جاتی ہے جس کو انہوں نے تدوینِ روایت کے بارہ میں روا رکھا ہے۔ آیئے عوامل و اسباب کی اس تعیین کے بعد اب یہ دیکھیں کہ آیا قرآن سے حدیث و روایت کے کچھ پیمانوں اور نمونوں کا سراغ ملتا ہے یا نہیں۔

اس ضمن میں زیادہ تفحص کی ضرورت نہیں۔ سب سے پہلی بات دیکھنے کی یہ ہے کہ احادیث و مرویات کا مرکزی نقطہ یا محور کیا ہے کہ جس کے گرد احادیث کا پورا ذخیرہ گھومتا ہے۔ یہ مدار و محور آنحضرتؐ کی ذات، آپ کا تعارف حالات و اطوار اور دین کے متعلق آپ کی اہم تصریحات ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا کتاب اللہ نے اس موضوع کو کوئی اہمیت دی ہے۔ اور خصوصیت سے آنحضرتؐ کی زندگی کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی، اور عملاً یہ ثابت کیا ہے کہ مقامِ محمدی اور اسلام ایک ہی حقیقت کے دو پہلوؤں اور ایک ہی شمع کے دو پرتوؤں کا نام ہے۔

یہ ایک مستقل موضوع ہے اور تاریخ کا نہایت مستند اور تابناک باب ہے کہ قرآن سے آنحضرتؐ کی سیرت و اسوہ کی جزئیات مرتب کی جائیں اور یہ بتایا جائے کہ جس خدا نے آپؐ کو اس دنیا میں نبوت و رسالت سے سرفراز کر کے

بھیجا ہے اور جس نے ہدایت و رہنمائی عالم کا تاج آپؐ کے فرقِ اقدس پر سجایا ہے۔ اس نے جس عمدگی اور خوبی سے آنحضرتؐ کے حالات بیان کئے ہیں۔ ان کا جواب نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ بات سرِ دست ہمارے دائرۂ فرائض سے خارج ہے اس وقت ہمیں صرف اس نکتہ کی وضاحت کرنا ہے کہ قرآن نے آنحضرتؐ کے سیر و احوال کی وضاحت کی ہے اور ورفعنا لک ذکرک کہہ کر اس بات کی ضمانت بھی دی ہے کہ آیاتِ قرآنی کے ساتھ ساتھ اسوہ و ذکرِ رسولؐ کا باقی رہنا بھی ضروری ہے۔ اس طرح گویا اللہ تعالےٰ نے ایک نمونہ اور مثال قائم کی ہے جس کی پیروی اور تتبع میں مزید تفصیلات کی خاطر محدثین نے احادیث و سیر کے مجموعے مرتب کئے ہیں جن میں آنحضرتؐ کی شبانہ روز عملی زندگی کے نمونوں کی وضاحت ہے۔ ان میں بتایا گیا ہے کہ آپ کے تعلقات اللہ تعالیٰ سے کس نوعیت کے تھے اور خلق اللہ سے آپ کے معاملہ و سلوک کی نوعیت کیا تھی۔ ان میں اس چیز کی وضاحت ہے کہ آپ نمازیں کیونکر ادا کرتے تھے۔ روزوں کی تفصیلات کیا ہیں۔ مناسکِ حج کی جزئیات کا کیا عالم ہے۔ عبادات کے کیا فضائل ہیں۔ اور ان کے متعلقات کیا کیا ہیں؟ یہی نہیں ان میں ان امور کی تفصیل بھی درج ہے جن کو قرآن حکیم نے محض اجمالاً ذکر کیا ہے۔ اس مرحلہ پر اس نکتۂ جانفزا کو نہیں بھولنا چاہیئے کہ خود قرآن نے بھی جابجا مفصل ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور کہا ہے کہ اس میں ہر ہر شے کی وضاحت پائی جاتی ہے۔ پچھلی بحثوں کو اگر ذہن میں رکھا جائے اور پیغمبر کے مرتبہ و مقام کے بارہ میں جو کچھ ہم نے لکھا ہے اس پر نظر و فکر کے گوشے مرکوز رہیں۔ تو اس حقیقت کو پالینے میں کوئی دشواری محسوس نہیں ہوگی کہ قرآن کی اس تفصیل کے معنی رسولؐ سے بے نیازی کے نہیں۔ اس سے عدم تعلق اور قطع ربط کے نہیں۔ بلکہ صرف یہ ہیں کہ قرآن میں جو بنیادی حقائق اور اساسی عقائد ہیں۔ ان کی پوری پوری تفصیل اور وضاحت اس میں پائی جاتی ہے۔ چنانچہ اگر ان تمام مقامات کا احاطہ کیا جائے جہاں جہاں قرآن کے مفصل ہونے کا ذکر آیا ہے تو ہمارے اس دعویٰ کا ثبوت ملے گا کہ اس تفصیل کا تعلق اصولی عقائد و افکار سے ہے تشریع اور فقہ کے تقاضوں سے نہیں۔ یعنی اس کے مخاطب کفار ہیں، مسلمان، فقہاء اور محدثین نہیں۔ کیونکہ اگر وہ سب کچھ اس کتاب میں بیان کر دیا گیا ہے جو کسی نہ کسی حیثیت سے دین کے زمرے میں آتا ہے تو پھر فقہ و اجتہاد کی گنجائش کہاں رہتی ہے تفسیر و تعبیر کی وسعتوں کو کس طرح حق بجانب ٹھہرایا جا سکتا ہے، اور اس تمام ذخیرۂ علمی کو کس طرح حق بجانب قرار دیا جا سکتا ہے جو قرآن کے رموز و اسرار کی تشریح و وضاحت کے سلسلہ میں معرضِ ظہور میں آیا ہے اور صدیوں سے اسلامی ذہن و فکر کو جلا بخش رہا ہے۔ علاوہ ازیں ایک حکیمانہ بات سن رکھئے۔ کتابیں بھی مکمل نہیں ہوتیں بلکہ عمل اور سیرت، اور معاملہ و زندگی ایسی چیزیں ہیں جن سے انسان مفصل ہدایات حاصل کرتا ہے۔ اور روزمرہ کی مشکلات میں رہنمائی کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے۔